OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

"منطق الطیر جدید" کا مذہبی و روحانی تناظر

Religious and Spiritual Perspectives on *"Mantiq Ul-Tair Jadeed"*

Dr. Nazia Perveen
PhD Urdu, Govt College Women University Faisalabad
Dr. Hafiz Muhammad Abrar Awan
PhD Islamic Studies, Sheikh Zayed Islamic Center, Punjab University, Lahore
Dr. Uzma Bashir
Visiting Assistant Professor, Govt College Women University Faisalabad

Abstract

Islam and humanity is a pivot to personal and collective life of human being. God has blessed him with remarkable gift of essence. Soul is not only a reflection of spiritual aura but also an intellectual aspect which furbish excellence in man. So that a man could prove himself a reasonable social being among the quagmire of oscillating being demands of society. These esoteric conditions flourish literature. Knowledge is a stimulus for intellect and reasoning in human being. Life is an eternal reality. Complete grasp of human nature is a herculean task. Literature elucidates the ideals of right and wrong as well as it depicts equality and brotherhood in peaceful society. The oneness of Allah, seal of prophets and anecdotes of saints are mentioned in a Masnavi "*Mantiq Ul-Tair Jadeed*" by Fareed-ud-Din Atar. Mustansar Hussain Tarrar, in his novel "*Mantiq Ul-Tair Jadeed*" has shed light upon philosophical, logical, metaphysical, ethical and psychological meanings of Islam and its harmony among interfaith on universal level. Historical religious and cultural values are metaphorically discussed in the perspective of worldy life and life after death. Above mentioned mystical discussions are presented in this article.

Keywords: " *Mantiq Ul-Tair Jadeed* ", Perspectives, Religious, Spiritual

CC BY

اسلام اور انسانیت کا تعلق نسلِ انسانی کی ذاتی اور اجتماعی زندگی سے جُڑا ہوا ہے۔ خدا نے انسان کو علم اور رُوح کی عظیم دولت سے نوازا ہے۔ علم انسان میں استبداد اور عقلِ سلیم کا محرک ہے۔ رُوح انسانی کی باطنی کیفیات کا ایسا طرزِ فکر و عمل ہے جس سے انسان کی تمام مثبت صلاحیتیں بہترین انداز میں نشوونما پاتی ہیں۔ تاکہ انسان اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگی کے ہر لحظہ بدلتے ہوئے تقاضوں سے اعتدال پسند معاشرتی اکائی ثابت ہو۔ ادب ہمیشہ ان داخلی کیفیات کے زیرِ اثر پروان چڑھا ہے۔ زندگی دائمی حقیقت ہے۔ فطرتِ انسانی کی تفہیم کوئی آسان عمل نہیں ہے۔ ادب کی انسان دوستی یا انسانیت نوازی کے تناظر میں خیر و شر کے تصورات کو پیش کرتا ہے تو دوسری طرف اسلامی مساوات، بھائی چارہ اور پُر امن معاشرے کی تخلیق کا داعی ہے۔ منطق الطیر جدید بھی آفاقی سطح پر بین المذاہب ہم آہنگی سے روشناس کرواتا ہے۔ مصنف نے ہم آہنگی کی عصری معنویت کو فلسفیانہ منطقی استدراک، مابعد الطبیعیات، اخلاقیات، نفسیات اور شعور شناسی کی مد میں پیش کیا ہے جس سے کثرت و وحدت کے تصورات جنم لیتے ہیں۔ مذہب، تصوف اور گیان انسانی نفسیات کی جبلی اور شعوری شناخت کا محیط ہیں۔ فرید الدین عطار کی مثنوی "منطق الطیر" اللہ کی وحدانیت پر یقینِ کامل اور صدقِ مُہر ہے، جس میں کسی اولیٰ ہستی کی حمد بیان کی گئی ہے۔ سید المرسلین کی ختم نبوت، خلفائے راشدین کی قرآن فہمی اور اس کے مطابق اعمال انجام دینے کے ساتھ ساتھ اولیا کرام کی زندگیوں کی حکایتیں بیان کی گئی ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ نے اپنے ناول "منطق الطیر جدید" میں عصری معنویت اور تاریخی و مذہبی اقدار کو تمثیلی اور استعاراتی سطح پر بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ زندگی اور حیات بعد الموت کے تصور کو داستان کا رنگ عطا کیا ہے۔ حیاتِ زندگی اور موت دونوں کا منبع ہے۔ نفس کی جسم کے ساتھ موجودگی زندگی اور جسم کے بغیر والی حالت موت ہے۔ یہ ناول تلاش حقیقت کا ایک اِستعارہ ہے۔ انسانی جسم کا ہر سیل ایک جنیٹک کوڈ رکھتا ہے۔ ان کوڈز میں انسان کے نفسیاتی راز چھپے ہیں جن کا تعلق رُوح، دماغ اور شعور سے ہے۔ سلطان بشیر محمود لکھتے ہیں:

> "انسان کے اندر کوئی ایسی چیز ضرور ہے جسے آپ جینز کا اثر (Genes Effects) کا نام دیں، یا رُوح (Spirit) یا نفس (Inner Self) یا غیر مرئی جسم (Abstral Body) جو جسم سے باہر پیغام رسانی کر سکتی ہے۔"[1]

مستقبل قریب میں سائنسی ایجاد کلوننگ ایسا تجربہ ہے، جس میں ایک ہی طرح کی انسانی جینز سے ایک پوری فوج تیار کی جائے گی۔ اس تھیوری کے مطابق ان سب کی ایک ہی سوچ اور رویہ ہو گا۔ ذہنی طور پر یہ جینز پیغام رسانی کے ساتھ ایک دوسرے کے خیالات سے بھی واقفیت رکھیں گی۔ اور ایک دوسرے کو کنٹرول کرنے کا بھی خاص طریقہ کار ہو گا۔ مصنف نے بھی ادبی سطح پر ایسی ہی کلوننگ کا تجربہ کیا ہے۔ وحدت الوجود کلوننگ کا ایسا عمل ہے جس میں ہندوستان کے تمام مذاہب ہندوازم، سکھ ازم اور اسلام ایک رشتے، ایک تعلق سے جڑے نظر آتے ہیں۔ انسان جو لاکھوں کروڑوں جرثوموں سے مِل کر بنا ہے۔ انسانی وجود پانے کے لیے مادرِ شکمی میں ایک طویل جنگ سے نبرد آزما ہونے کے بعد انسانی وجود کی مسافت طے کرتا ہے۔ سیل سے لے کر انسانی وجود تک کی تکمیل کے مراحل میں وہ جماداتی فلک، نباتاتی اور حیوانی فلک کو عبور کر کے منزلِ مقصود تک پہنچا ہے۔ ڈاکٹر سعادت سعید لکھتے ہیں:

> "انسانی نشوونما کے تمام ادوار میں اسے طرح طرح کے جذبات و احساسات سے سابقہ پڑا ہے۔ اس کی رُوح کے باغوں میں گرداں اس کی جبلت، عقل، رُوح اپنا اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں۔"[2]

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے مباحث کو صوفیانہ رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ تصوف کی ان کیفیات کو مختلف مکتبہ ہائے فکر نے پرندوں کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ اس رُوحانی اور وجدانی فلسفے کو تارڑ نے "منطق الطیر جدید" میں پیش کیا

ہے۔ انسانی عقل اور وجدان کے تغیرات شعور (ہدہد)، مشاہدہ (قمری)، رُوح (طوطا)، دانش (تیتر)، شہادتِ وحدانیت کے لیے (شہباز)، مشاہدۂ رسالت (دراج)، محبت کے لیے (بلبل)، صید ہوس (مور)، اندھی خواہشات کے لیے (چکور) پیغام بر کے لیے (کبوتر)، آگہی (فاختہ)، سوچ، تدبر اور بلند نگاہ کے لیے (عقاب)، عشق کے لیے (مرغ) یہ پرندے بطورِ استعارہ پیش کیے گئے ہیں۔ مصنف نے ادبی کینوس پر ایسا شاہکار کلوننگ ماڈل تیار کیا ہے، جو تہذیبوں کی شکست وریخت، شدت پسندی، نظریاتی تصادم، سپر پاور کا نیوورلڈ آرڈر، بنیاد پرستی، ثقافتی نسبت(Relativism)، مذہبی تکثیریت(Pluralism) سے آزاد نئے معاشرے اور نئے آدم کا خواب سجایا ہے۔ پوری دُنیا مختلف معاشروں اور تہذیبوں سے عبارت ہے۔ گلوبلائزیشن کے اس دور میں جب ٹیکنالوجی کے ذریعے دُنیا ایک وولیج بن چکی ہے۔ اقوامِ عالم میں مختلف نظریات ایک معاشرے سے دوسرے معاشرے پر تسلط کی جنگ میں نسلِ انسانی کا کاروان آدم سے شروع ہو کر کروڑوں سالوں کی مسافت کے بعد ایک گنجلک انبار کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ طاقت اور کمزور کے درمیان غالب و مغلوب کا کھیل جاری ہے:

> ”عالمی طاقتیں دُنیا پر غلبہ پانے اور دوسری قوموں کو محکومی کی زندگی دینے اور ان کے ذہنوں پر قابض ہونے کی تیاریوں میں مصروفِ عمل ہیں۔“[3]

انسان زندگی کی بے ثباتی، غم اور دکھوں سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کی سختیوں سے اس قدر عاجز آجاتا ہے اور خواہش کرتا ہے کہ پرندوں کی شکل اختیار کرے اور آزادی سے ہر جگہ جائے۔ کوئی رشتہ، کوئی بندھن، کوئی عقیدہ اُسے قید نہ کرے اس فلسفے کے رنگ اور اخوت و مساوات کی اسلامی قدروں کو ”منطق الطیر جدید“ کی شکل میں پیش کیا ہے۔ زندگی بعد الموت اور فنا کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ رہنے اور نئے پُر امن معاشرے کے قیام کے لیے نئے آدم کے تصور کو پرندوں کی شکل میں پیش کیا ہے، یہاں نفرت، تعصب کی بجائے، محبت، اخوت اور مساوات کی فضا قائم ہے۔ ادبی سطح پر اس تخلیقی تصور نے فکری و فنی بلکہ نئے تکنیکی رازورموز کی نئی جہت متعین کی ہے۔ یہ طریقہ کار ایسا داستانوی انداز ہے۔ ایسا قصہ جہاں عقل و منطق کے بجائے ایسی صورتِ حال پیش کرنا جس کا وقوع پذیر ہونا ناممکن ہوتا ہے مگر ایسی تصوراتی تخلیق کے پردے میں موجودہ زمانے میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات اور اخلاقی نظام کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ اس تخلیق کے طنز میں زندگی کی معنویت کا احساس پنہاں ہوتا ہے جو مختلف معاشرتی وجوہات کے بنا پر ہمارے عہد میں ختم ہوتی نظر آتی ہیں۔

> ”تصوراتی تخلیق کے پس منظر میں مجموعی سماجی، معاشرتی، سیاسی، تاریخی، تمدنی، ثقافتی روح اور ماجرے کا بیان کارفرما ہوتا ہے جس سے ایک بڑا ہمہ گیر وژن اُبھرتا ہے۔“[4]

اُردو ادب اپنے آغاز سے ہی داستانوی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ معاشرے میں اِستقامت، خیر و شر کے تصور اور اسلامی احیاء کے لیے داستانوں کے ذریعے نسلِ انسانی کی اخلاقی تربیت کی جاتی رہی ہے۔ لوک گیت، قصے کہانیاں فکری، تہذیبی، سیاسی اور اخلاقی سطح پر انسانی ذہن کو اِستحکام بخشا گیا ہے۔ صوفیا کرام نے بھی عوام الناس میں اسلامی اقدار کو فروغ دینے کے لیے یہی طریقۂ تدریس اختیار کیا۔ صدیوں کے فکری مغالطوں اور تہذیبی بگاڑ سے نکلنے کے لیے عوامی سطح پر تصوف کا نظریۂ وحدت الوجود قوی حیثیت رکھتا ہے جس نے دھرتی پر درماندہ اور افسردہ انسان کے مابین امتیاز کو ختم کیا۔ کبیر داس، میرابائی، شاہ حسین، شاہ عبداللطیف بھٹائی، بلھے شاہ، رحمٰن بابا، سچل سئیں اور خواجہ فرید الدین عطار کے نام نمایاں ہیں۔ ڈاکٹر سعید احمد لکھتے ہیں:

> ”داستانوں کا پلاٹ خیر و شر کا جہاد ہے۔ داستانوں میں فوق الفطرت عناصر کی موجودگی انسان کی مچلتی ہوئی آرزوؤں کی تشکیل و تجسیم ہے۔“[5]

اکیسویں صدی سائنسی یلغار کے نتیجے میں انسانی بے قدری کا دور ثابت ہوا ہے۔ وقت کی سفاکی، عالمی طاقتوں کی اجارہ داری، طاقت ور کی دوڑ، نیو ورلڈ آرڈر کے بیانیے میں دُنیا داخلی اور خارجی سطح پر ذہنی اِنتشار کا شکار ہو رہی ہے۔ مصنف نے ہر طرح کے نسلی اور مذہبی عقیدوں سے آزاد اور پُر امن معاشرے کے تصور کو پیش کیا ہے۔ ناول نگار نے زندگی اور اس سے وابستہ خام مواد کو اپنے تخیّل کی مدد سے قصد کے پیکر میں ڈھالا ہے۔ Pro evolution theory کے زیرِ اثر یہ خواہش قوی حیثیت رکھتی ہے کہ اس پُر تشدد۔ تباہی اور خون خرابے سے اٹی دُنیا سے ایک خوشیوں بھرے پُر امن معاشرے کا وجود تخلیق پا سکے۔ اس ناول میں زندگی کی اِبتدا بھی ہے اور زندگی کی اِنتہا بھی کہ انسان صدیوں کے سفر سے کس طرح کے کرب سے نبرد آزما رہتا ہے۔ انسان کی متلاشی رُوح عہد بہ عہد کی تبدیلیوں کے آئینے میں انسانی وجود کا مفہوم مشتر کہ ہندوستانی تہذیب جسے کبیر، نانک اور چشتی کی روایت نے فروغ بخشا تھا۔ جب اس تہذیب اور معاشرے کا شیرازہ بکھرا اور نظریاتی بنیادوں پر یہاں بسنے والی اقوام ہوس اور خون کی ہولی کھیلنے لگی تو پورے خطے کے سیاسی، سماجی، مذہبی اور تہذیبی مسائل سے نکال کر انسان کو یوگ اور تصوف کی دُنیا کا باسی بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ناول میں کہیں کہیں واہمہ Illusion کو بھی زندگی کی بقا کا ضامن دکھایا گیا ہے۔ اس ناول میں زندگی کو خواب سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کے لیے آزاد تلازمۂ خیال Free Association of Ideas کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ قیامِ پاکستان کے عمل میں کس طرح نسلیں اپنی دھرتی اپنی اصل سے کٹ گئیں اور نئی سرزمین کی طرف ہجرت اور زندگی کی بقا کے لیے تگ و دو میں جو خون کے آنسو بہانے پڑے اس نے بھی نئے معاشرے اور نئی دُنیا کی تخلیق کو استناد بخشا۔ مصنف نے انسانی زندگی کی اس افرا تفری اور اِنتشار کے نتیجے میں ذہنی اِضطراب اور کشمکش سے نجات حاصل کرنے کا خواب سجایا ہے۔ اس ناول میں زندگی سے نجات حاصل کرنے کے لیے جب انسانی رُوحیں آسمان کی طرف مراجعت کرتی ہیں۔ اس مراجعت کو ناول میں پرندوں کی پرواز اور ایک جگہ اکٹھے ہونے کو انسانی وجدان اور الہام کا اِستعارہ دکھایا ہے۔

ناول نگار نے کردار موسیٰ حسین کے ذریعے منطق الطیر کے جدید پرندوں سے ہم کلامی کو پیش کیا ہے۔ وہ اوپیرا کھیل جو کئی صدیاں پہلے فرید الدین عطار نے نیشاپور میں پیش کیا تھا۔ اسی اوپیرا کھیل کو تمثیلی انداز میں اس ناول میں پیش کیا گیا ہے۔ خاموشی میں ڈوبی کائنات کو جب رنگینی اور نور سے منور کرنے کے لیے کن فیکون کی طاقت سامنے آئی تو لمحوں میں کائنات کے نظارے تجسیم ہو گئے۔ ناول نگار نے تخلیق کے منصب کے کلی اختیار کو استعمال کرتے ہوئے اپنے سامنے موجود مواد کو لفظی صورت گری عطا کی ہے۔ منطق الطیر کے پرندوں کے لیے زمینی کینوس ٹلہ جوگیاں منتخب کیا گیا جو تاریخی، فطری، انسانی اور اخلاقی ماحول کی تصویر کشی کے لیے موزوں ہے۔ اس ناول میں رقص بدن اور رقصِ رُوح یعنی رُوح اور نفس دونوں کے اِمتزاج سے انسانی بالیدگی کی کہانی بُنی گئی ہے جب زندگی نفسِ واحد کی تنہائیوں اور ویرانیوں میں کسی رفیق اور ہم دم کے ساتھ کی خواہش مند ہوئی تو اپنے ہی بطن سے نئی زندگی کا تسلسل شروع کیا۔ جزو سے کُل دیکھنے کی منطق نے دُنیا کے وجود کو جنم دیا۔ صدیوں کے سفر میں رُوحانی سکون کی خاطر بُت کدے، منادر، کنشت، کلیسے، آتشکدے، مساجد، گرودوارے اور انسانی عقیدے اور مذاہب وجود پانے لگے۔ عہدِ جدید میں طبقاتی چیرہ دستیاں، قومیتی دُشمنیاں، ہندو مسلم منافرتیں، سکھوں اور ہندوؤں کے مناقشے نے مشرقی معاشرے کو اختلافات اور منافرتوں کی آماجگاہ بنا دیا ہے۔ اس اِنتشار نے انسان کی پناہ گاہ مزاروں، تکیوں، دائروں، جوگی ٹلوں اور رجنیشی استھانوں کو جنم دیا۔ نفرت اور تعصب کی دُنیا سے الگ پُر امن تصوراتی دُنیا کے خواب کے لیے اسرار کو زندہ رکھنے کے لیے کثیر التاریخی (Poly Hisorical) اور کثیر الصوتی (Polyphonic) تصور کو پرندوں کی شکل میں پیش کیا ہے:

"باختن کی کہی ہوئی منکشف اور خود مختار آوازیں بازگشت کی طرح ناول کے بیانیے میں سنائی دے رہی ہیں جسے زمانوں کے مطابق پیش کیا گیا ہے۔ سیاسی، سماجی، تاریخی، ادبی اور ثقافتی منظر نامے اور مخصوص ماحول کی عکاسی پرندوں کی زبان سے ہوئی ہے۔"[6]

رُوحانیت، تصوف، زندگی اور موت یک حقیقی وجود میں مابعد الطبیعاتی اور غیر ماورائی دُنیائیں اپنی طرف خاص کشش رکھتی ہیں۔ یہ کشش ادبی سطح پر "منطق الطیر جدید" میں مخصوص معنوں میں ظاہر ہوتی ہے جو داستانوی بیانیے کی پتوار پر سبک روی سے چلتے ہوئے قاری کی آنکھوں کو حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہونے کے کلی مواقع فراہم کرتی ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کے تخیلی وجدان نے نظریہ آفرینش، بقائے حیات اور موت کے اسرار ورموز کے ساتھ ساتھ رُوح کے فلسفے کو بھی بخوبی بیان کیا گیا ہے۔ اس ناول میں داستانوں کی مدد سے وسیع جہان آباد کیا گیا ہے۔ تارڑ کی ہر تحریر میں ایک خاص صوفیانہ بعید اور نئی تخلیق کا رمز پنہاں ہوتا ہے۔ ان کی آنکھیں ہر تخلیقی عمل میں امن و آتشی کی داعی بن کر ظاہر ہوتی ہیں، جو پُرامن اور پُرسکون دُنیا اور نئے آدم کا خواب سجائے نظر آتی ہیں۔ انسانی وجود کی مادی حالتوں کے کثیف بدلاؤ داستانوی رنگ میں ڈھل کر جماداتی شکل میں جب وہ خون کے قطرے اور پانی کی بوند سے نباتاتی سطح پر بیج بنا اور حیوانی سطح پر دُم دار گوشت کا بے ہیئت لوتھڑا تھا۔ مادر شکمی کے غلاف میں ہزاروں تبدیلیوں کی تاریک راہوں سے گزر کر وہ ایک مخصوص پیکر میں انسانی وجود بنتا ہے۔ پیدائش کے بعد بھی عمر بھر ارتقائی اور ارتفاعی سفر پر گامزن رہتا ہے۔ قرآن کریم نے اس ساری تفصیل کو وضاحت سے پیش کیا ہے:

"پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا ہی کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا مگر انسان سرکشی کرتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے تئیں بے نیاز سمجھتا ہے۔"[7]

انسان کی شکل میں زندگی صدیوں سے بار بار مر رہی ہے اور بار بار نئے جنم کی صورت تشکیل پانے سے بیزار ہو چکی ہے۔ اِس اُکتاہٹ کے باوجود انسان میں ابدی حیات کی خواہش کبھی نہیں مرتی جس میں عقیدوں کا تنافر، لسانی تفاوت، اخلاقی گراوٹ اور مادی تناسب سے ہوتا ہوا مادیت اور مابعد الطبیعیات کی منزلوں کی طرف بڑھتا ہوا مادے کی ترتیب ہی بدل کر رکھ دیتا ہے۔ یہ پہلی منزل پر ہی مائع ہوتا ہے پھر ٹھوس حالت میں وجودی حیثیت میں تغیر پذیر رکھتا ہے اور اختتام گیسی حالت یعنی رُوح کی شکل میں کرتا ہے مگر ارتفاع کا یہ سفر مسلسل جاری رہتا ہے۔ تارڑ نے اپنے مخصوص داستانوی بیانیے کی مدد سے انسانی جسم پر لگے مادی وجود کے لیبل کو اُتار کر اس کی اصل حقیقت کو پیش کیا ہے۔ انسان پیدائش کے ابتدائی مراحل میں بدہئیتی سے وقوع پذیر ہو کر تکمیل کامل تک پہنچتے پہنچتے روح کی حالت میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ کیا خبر رُوح کیا رنگ ڈھنگ اختیار کرے۔ حیات بعد الموت اور رُوح کی آسمانوں کی طرف مراجعت کے فلسفے کو پرندوں سے موازنیت اور متوازنیت کے پیمانوں میں رکھ کر تخلیقی مسند عطا کی ہے:

"دُنیا بھر میں جتنے پرندے آسمانوں کو سجاتے ہیں، کچھ تخصیص نہیں کہ اُن کی نسل کیا ہے۔ وہ ناخن برابر ہیں یا اتنے بڑے کہ ایک چھوٹے سے قصبے پر سایہ کر دیں، سب کے اندر ایک ایسا نظام نصب ہوتا ہے جو انھیں آپس میں مربوط رکھتا ہے۔"[8]

دُنیا بھر میں بسنے والے پرندوں کے دل ایک ہی دھاگے سے بندھے ہوئے ہیں۔ ایک کی اُڑان سے دھاگا ایک ساز کی تان کی مانند اِرتعاش پیدا کرتا ہے اور کائنات کے سب پرندوں کے دلوں میں ایک خاص کشش کو جنم دیتا ہے۔ خاص طور پر وہ تمام پرندے جنھوں نے عطار کی قلم سے جنم لیا وہ بھی اس میں شامل ہیں جو حقیقتِ اولیٰ کے متلاشی ہیں۔ سلمان کا ہدہد، کوہِ طور کی

فاختہ جس نے موسیٰ کی رفاقت میں آ کر عشق کی آگ کا نظارہ کیا۔ وحدت کی غار کا مکیں، بلبل جو داؤد کی ہم راہی میں وجد کے سُرور میں گم ہے۔ جنت کے تمام دروازوں سے رقص کرتا ہوا مور۔ یونس کی انا کا کبوتر جو مچھلی کے پیٹ کے اندر بھی زندہ رہا۔

> "سب کے سب وحدت کے ایک ہی دھاگے میں بندھے، ایک ہی ڈور میں پروئے ہوئے اور اُس ڈور کو لُک چُھپ کے عطار کھینچتا ہے یوں کہ ہر پرندے کے دل میں یہ ڈور ایک گانٹھ باندھتی ہے جیسے کہ غارِ حرا کے فرش پر اُس کے جوتوں میں گانٹھی ہوتی ہے۔"[9]

کوئی بھی صاحبِ بصیرت اور بصارت کا داعی اپنے اِعتقاد پر مستحکم، دلیل پر یقین رکھنے والا کتنا بھی سگھڑ، تعلیم یافتہ اور صابر ہو، دُنیا کے مصائب اور ناگہانی غم و الم اس کی نفسیات کو ضرور متاثر کرتے ہیں۔ ابتدا میں وہ جواں مردی، بے جگری اور منطق سے خود کو تسلی دیتا ہے مگر مسلسل ذہنی جبر، معاشرتی دباؤ اور زندگی کی بے سکونی سے تنگ آ کر توہمات کا سہارا لینے پر مجبور ہوتا ہے۔ یہ سہارے مذہبی عقائد، معاشرتی طبقاتی نظام، سیاسی و معاشی صورتِ حال اور عائلی مسائل سے تعبیر پاتے ہیں۔ موت سے پناہ حاصل کرنے کے لیے وہ ہر اُس دروازے پر دھتکارا جاتا ہے جس کے پسِ پردہ شرک اور اوہام کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا، تو معاشرے میں ایسی لایعنی صورتِ حال جس میں مزاروں کی جالیوں کے شگافوں میں خواہشوں کے دھاگے باندھے جاتے ہیں۔ قدیم برگدوں کے تنوں میں دیئے جلائے جاتے ہیں۔ اولاد کے حصول کی خاطر جعلی پیروں کی خلوت سے فیض اُٹھانے جیسی کریہہ معاشرتی صورتیں نظر آتی ہیں۔

ناول میں جادوئی حقیقت نگاری نے عرصہ بیانیہ کی آفاقیت کو بڑھا کر ابدیت تک پہنچا دیا ہے۔ مصنف نے فرید الدین عطار کے فلسفیانہ افکار کو نثری بیانیہ میں کمال خوبی سے پرو دیا ہے۔ شاعرانہ تخئیل میں نثر کی تخلیق کا تجربہ عصمت چغتائی، نور الحسین اور صادقہ نواب سحر کے ہاں بھی نظر آتا ہے۔ ان مصنفین نے اس تکنیک کو کرداری سطح پر برتا ہے۔ ناول میں موسیٰ حسین کا کردار جامع مثال ہے۔ موسیٰ حسین وہ راوی ہے جو خود کلامی اور سلولوکی کی مختلف حالتوں کی مدد سے داستانوں کا جال اس طرح تیار کرتا ہے کہ ماضی کا رشتہ حال سے جُڑا نظر آتا ہے جس میں بدھ ازم، ہندوازم، اسلام، جین مت، سکھ ازم اور محبت ازم کے دھاگوں سے پُرامن نئی دُنیا کا ماڈل تیار ہو رہا ہے۔ اس ماڈل پر وحدت الوجود کے فلسفے کی دُنیا آباد ہے۔ وحدت الوجود کا فروغ مابعد الطبیعیاتی، سماجی، اخلاقی اور ثقافتی بنیادوں کو اجتماعی پیمانوں کی مدد سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ناول کا بیانیہ تمام صوفیانہ نظریات کی منازل کو عبور کرتا نظر آتا ہے:

> "وہ سات پرندے اپنے اپنے زمانوں کی قید سے نکلے، وقت کے بہاؤ کے باغی ہوئے، ہر پرندے کی وراثت میں آیا ہو، آسمان اُس کے اندر ازل سے ابد تک کے پوشیدہ بھید اُن تک رسائی حاصل کرے۔"[10]

اس ناول میں سماجیات، اخلاقیات اور نفسیات کے نازک مباحث کو پیش کیا گیا ہے جن میں انسانی اوتار، صوفی، پیغمبر، عاشق، خدا پرست، بت پرست، دہریئے تمام مکتبہ ہائے فکر کا بیان ملتا ہے۔ موجودہ دور میں مادیت پرستی کی دوڑ نے انسان سے جذبات چھین کر اسے کام کرنے والا خود غرض روبوٹ بنا دیا ہے جو کولہو کے بیل کی طرح عمر بھر چلتا رہتا ہے۔ خواہشات کا یہ پرندہ، خوشیوں اور سکون سے عنقا ہے۔ عہدِ جدید کی ترقی نے انسانی سوچ کو ریورس گئیر میں ڈال دیا ہے۔ وہ بظاہر آزاد نظر آتا ہے مگر ان گنت پابندیوں اور عقیدوں کے بوجھ تلے عمر گزار دیتا ہے۔ یہ خفیہ پردے طبقاتی تفاوت، نسلی امتیاز، لسانی اختلاف، قومیتی منافرت اور مذہبی اجارہ داری پر قائم ہیں جس نے انسان کو باشعور ہو کر بھی ذہنی اور رُوحانی سطح پر تہی دست کر رکھا ہے۔ اس ناول کے بیانیے کا بڑا مقصد انسان کو عقیدوں اور مادی پیرامکس سے نکال کر رُوحانی سکون کی جائے پناہ تلاش کرتا ہے۔

تصوف کی خاص فکری، صوتی، میلانی اور وجدانی افکار کی تفہیم پیش کی گئی ہے۔ ناول متن میں کئی بار پرندوں کی عدالت کا گمان ہوتا ہے۔ جہاں ہر نسل اور ہر عقیدے کا پرندہ ظاہر ہوتا ہے۔ بحث و مباحثہ کے انداز میں کینوس پر نمودار ہو کر اپنے افکار پیش کرتا ہے۔ واقعۂ معراج، حضرت کا سیاہ لباس، ہری بھرتری کا عشق، ققنس کی داستان، قیصر و کسریٰ، قرۃ العین طاہرہ، منصور حلاج، حضرت ابراہیم کا پرندوں کو زندہ کرنا۔ حضرت سلمان اور ملکہ صبا کی داستان، حضرت عیسیٰ کا زندہ آسمانوں پر اُٹھائے جانا۔ حضرت موسیٰ کا کوہِ طور پر خدا کا دیدار اور کوہِ طور کا جل جانا۔ غارِ حرا کی مسافت۔ راج کٹاس کی کہانی، شولنک کی تہذیبی معنویت، یونی کی اساطیری روایت، کرشن مہاراج کا قصہ، سدھارتھ کا فلسفیانہ گیان، قلعہ روہتاس، پورس کے ہاتھوں کی داستان، سامری جادوگر سے موسیٰ کا مناظرہ، پنجہ صاحب کا بیان، ہیکل سلیمانی، جنید بغدادی، فرینکن آئن سٹائن، نیشاپور کی تاریخ، ہندوستان کی گنگا جمعنی تہذیب، قوم عاد کا بیان، زمین کی آفرینش کے نظریات، ٹلہ جوگیاں، خانہ کعبہ، حضرت آسیہ اور فرعون کی کہانی، حضرت شعیب کا بیان، اعلانِ نبوت کے دوران اُٹھائی جانے والے مصائب، ہجرتِ مدینہ، فتح مکہ، روزِ قیامت کو احتسابی عدالت کو استعاراتی سطح پر اس ناول میں بیان کیا گیا ہے۔ الغرض قدیم و جدید زمانے کی تہذیبی، ثقافتی، مذہبی اور سیاسی صورتِ حال کو الف لیلوی انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔

داستانیں اپنے اندر معنی خیزی کے وسیع سمندر چھپائے رکھتی ہیں۔ زیریں سطح پر معنویت کے نئے در واکرتی نظر آتی ہیں۔ اس ناول کے وسیع کینوس پر تخلیق کی آبیاری اور سیر ابی کے لیے قطار اندر قطار وہ اظہار کی صورتیں آشکار ہوتی چلی جاتی ہیں۔ عشق کی تقویت جاودانی اور اثر انگیزی کے ثمرات تاریخ کے دریچوں سے چن چن کر سیمرغ کے پرندوں کی شکل میں تجسیم ہوتے ہیں۔ تحریری سطح پر عشقیہ داستانوں کا نمو رواں دواں ہے۔ ناول نگار کے قلم کی ناؤ اس بہربے کراں سے عشق کے موتی چنتی جاتی ہے اور صفحۂ قرطاس کی زینت بنائی جاتی ہے۔

مصنف نے اختراعی عمل سے ظلم و تشدد کے بیان کے مقابلے میں متوازی طور پر عشق کی بوقلمونی اور وارداتی تحرک کی مدد سے باطن کی سلیقہ کاری اور جگر کاوی کی مصمم صورتوں میں اُردو ناول کا دامن وسیع کیا ہے۔ خدا کا انسان سے عشق، سورج کا دھرتی سے عشق، مہاتما بدھ کا عشق، لیلیٰ مجنوں کا عشق، شیریں فرہاد کا عشق، ہیر رانجھا کا عشق، میراں بائی کا عشق اور کئی جزوی عشقیہ داستانوں سے فکرِ تخلیق کو مہمیز کیا ہے۔ سب سے بڑھ کر موت کے ققنس اور زندگی کا عشق موجودات کائنات کے چہار سُو عشق کی بوقلمونی کا قوی اظہار ملتا ہے۔ ڈاکٹر علی فاطمی لکھتے ہیں:

> ”جب آدم نے عشق کے فطری، معصوم جذبے کو محسوس کیا۔ عمل میں لایا اور ردِ عمل کا شکار ہوا۔ عشق جنوں میں بدلا اور جنوں کبھی جنگ، کبھی عداوت و نفرت میں تبدیل ہوتا رہا لیکن عشق پھر بھی سرخرو رہا، مر کر اَمر رہا۔ ہر دور میں ہر ماحول میں۔“[11]

مختلف زمانوں، قوموں، معاشروں اور مذہبوں میں وقت کی تقسیم بدلتی رہی ہے۔ یہ شناخت مرتے دم تک ان کے ساتھ رہتی ہے۔ وراثت انسان سے منسوب رہتی ہے۔ اس تقسیم نے انسان سے آزادی چھین لی ہے اور صدیوں کے سفر کے بعد بھی انسان زمین پر ذلیل و خوار اور تنزلی کی وجہ سے معاشرے کے لیے ناسور بن گیا ہے جس کی آنکھوں میں وحشت نے جنم لیا ہے۔ بھوک کی وحشت، موت کی وحشت نظر آتی ہے۔ جب بھی انسان اپنے مقصد سے ہٹا اس کی راہ نمائی کے لیے کوئی نہ کوئی اوتار، مددگار پیامبر آتا رہا ہے۔ رام، کرشن، گوتم، مہابیر، درگا، لکشمی، سرسوتی، رسول سب کے سب انسان کی راستی کے خیر خواہ ہیں۔ تارڑ نے تمام تہذیبوں، عقیدوں سے آزاد معاشرے کی تخلیق کا خواب منطق الطیر جدید کی شکل میں سجایا ہے۔

> ”خوابوں، سرابوں اور نسلی امتیاز اور عقیدوں کے تنکوں سے تعمیر کردہ ایک گھونسلا ہے جس کی تعمیر میں خرابی مضمر ہے۔ تم سے پہلے بھی ایسے گھونسلے اقوام اور مذاہب نے تعمیر کیے جو زمانوں نے خس و خاشاک کر دیئے۔“[12]

اس ناول میں ناول نگار نے ذہنی استعداد سے داستانوں کے پھیلاؤ کی مدد سے کہانی میں تسلسل اور اظہارِ بیان کے ذریعے جہانِ معنی کے نئے نئے در وا کیے ہیں۔ صوفیانہ مباحث کی مدد سے حاض تاریخی، تہذیبی، معاشرتی، مذہبی ڈسکورس سے انسانی وجود کو کُلی طور پر آزاد کیا ہے۔ مذہبی اور رُوحانی قدروں میں انسانی فلاح کے تصور کو پیش کیا ہے۔ مابعد الطبیعیاتی مخفف سائی کلیت کی طرح حقیقت کے تناظر میں انسانی نفسیات کا نیا تجربہ پیش کیا ہے۔ اُردو ناول میں فلسفۂ حیات بعد الموت کو پیش کر کے زندگی کی ابدی حقیقت کو ادبی سطح پر نئے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ ناول منفرد تخلیقی انداز کی وجہ سے اُردو ناول کی روایت میں خاص مقام حاصل کر چکا ہے۔

References

[1]Sultan Bashir Mahmood, Talaash-e-Haqiqat, Dar-ul-Hiqmat (Islamabad, 2006), 119.

[2] Dr. Sadat Saeed, Tabaa Rawaan Ki Sadrang Moojein: Mantiq-Ul-Tair Jadeed Ka Bunaadi Markza, Mashmula: Urdu Novel Dherr Sadi Ka Qissa Khasussi Number, Adabiyat, Islamabad, 2020, 241, 242

[3] Nazia Perveen, Khas o Khashak Zamaney: Fikkri O Funni Jahhat (Faisalabad: Misaal Publishers, 2018), 104.

[4] Dr. Mumtaz Ahmad Khan, Urdu Novet Ke Chand Ahm Zaaviay (Karachi: Anjumn Taraqqi-e-urdu, 2003), 67.

[5]Saeed Ahmad, Dastaanein ur Tasavir-e-Kheir-o-Shar, Misaal Publishers, Faisalabad, 2016, 151-152۔

[6] Nazia Perveen, Ikksvi, Sadi Mein Urdu Novel Mein Bayaniyay ka tanevo (Tehqqeqi-o-Tanqeedi Mutala), Mumlooqa GCWUF, 2021, P:294

[7] Al-Quran, Alalaq: 1-7.

[8] Mustansar Hussain Tarar, Mantiq-Ul-Tair Jadeed (Lahore: Sang-e-meel Publication, 2018), 26.

[9] ‘ Tarar, Mantiq-Ul-Tair, 27.

[10] Tarar, Mantiq-Ul-Tair, 29.

[11] Ali Ahmad Fatmi, Noor-ul-Hussnain Ke neiy novel mein Ashq hi Ashq ha Jahaan dekho, Mashmoola, Urdu Novel Kall or Aaj, Maratib: Noor-ul-Hussnain, Roshaan Prints Delhi, 2017, P:313

[12] Tarar, Mantiq-Ul-Tair, 71.